سلسلہ مطبوعات (۲۱)

حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی

کا

تصورِ دین

مفتی سعید الرحمن

www.rahimia.org

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

نام پمفلٹ: حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کا تصورِ دین

مؤلف: مفتی سعید الرحمن

ناشر: شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

www.rahimia.org

فہرست مضامین

بانی جماعت تبلیغ	۳
خاندانی ماحول	۴
گنگوہ آمد	۵
گنگوہ میں علماء کی آمد	۶
شیخ الہند سے استفادہ	۶
اکابر سے تعلق	۸
تبلیغی طریقہ کی حیثیت	۹
دین اور سیاست کا باہمی تعلق	۹
کام میں ترتیب کی ضرورت	۱۰
محتاط انداز گفتگو	۱۱
اسوۂ صحابہ	۱۲
انسانیت دوستی	۱۲
اخلاق و ارکان	۱۴
دین اور دنیا	۱۵
حوالہ جات	۱۶

www.rahimia.org

حرفِ اول

دینِ اسلام میں جس قدر تازگی اور عصرِ حاضر کے سچے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت ہے، وہ کسی اور مذہب میں موجود نہیں جس کی وجہ سے تمام مذاہب کو اپنی عبادت گاہوں کی چار دیواری میں محصور ہونا پڑا جبکہ اس سے باہر ان کو رسومات کی بوسیدہ چادر اوڑھے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

دینِ اسلام کی اس تابانی کا اظہار ان سچے بندوں کے ذریعہ ہوتا رہا ہے جو علماءِ ربانی کہلاتے ہیں، ان صوفی علماءِ حق نے اپنے دور کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کے تقاضوں کی تشخیص کی اور پھر کہیں علاج بالضد کو آزمایا اور کہیں علاج بالمثل کو تجربے میں لائے، کبھی متوازن غذاؤں کو استعمال میں لائے، کبھی پرہیز کو ہی تجویز کیا، جسمانی علاج و معالجہ کرنے والے تو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں لیکن انسانی نفسیات کا ادراک رکھنے والے اہل حق باہمی طور پر ایک دوسرے سے وابستہ اور جڑے ہوئے ہیں۔ سطح بین انہیں علیحدہ علیحدہ لباس میں دیکھ کر انفرادی اور گروہی تشخصات کو نمایاں کرنے لگ جاتے ہیں جبکہ اہل حقیقت ظاہری تنوع کے پس منظر میں ایک اور صرف ایک فکر کو جلوہ افروز دیکھتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی نے جب اہل حق کی معاشرے میں مناسب پذیرائی نہ ہونے اور مسلمانوں کے پسماندہ طبقے کی توہماتی زندگی کا تجزیہ کیا تو انہوں نے دین کی ابجد پر محنت کے عمل کی نرسری قائم کی تاکہ اس کے ذریعہ دین کے اساسی شعبوں شریعت، طریقت اور سیاست کے گلستانوں کو اور زیادہ پُر رونق بنایا جاسکے اور اہل حق کی صدیوں کی جدوجہد کو مناسب افرادی قوت کے ذریعہ توانائی عطا کی جاسکے۔

زیرِ نظر پمفلٹ میں حضرت دہلوی کی اس حوالہ سے تصویر کشی کی گئی ہے کہ وہ ولی اللہی جماعت کے ہی ایک فرد تھے، ان کا کوئی مستقل اور انفرادی مکتب فکر نہیں تھا۔ اور انہوں نے اپنی تبلیغی محنت میں بار بار اس جانب متوجہ بھی کیا ہے کہ وہ یہ عمل دین کی بہتی ہوئی نہروں کی روانی قائم رکھنے کیلئے کر رہے ہیں اور متوازی نہر جاری کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔

چیئرمین

www.rahimia.org

بانی جماعت تبلیغ

حیات و افکار کے آئینہ میں

بر عظیم پاک و ہند و بنگلہ دیش میں تبلیغی تحریک سے وابستہ افراد کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے اور اس کے متعلقین دنیا کے کئی ایک ممالک میں موجود ہیں واقعہ یہ ہے کہ اس جیسی تحریک کی مثال دنیا میں اس وقت کہیں نہیں ملتی دن بدن اس میں پھیلاؤ مشاہدہ کی بات ہے اکثر و بیشتر حلقوں میں اس فروغ اور وسعت کو بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کے اخلاص اور امت کے لئے انکے سوز دروں کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس تبلیغی تحریک کی بدولت بے شمار افراد کے کلمے درست ہوئے نمازیں استوار ہوئی اور دین سے تعلق پیدا ہوا جس سے انکار محض ہٹ دھرمی کہلائے گا اس کے ساتھ ہی اس تحریک سے بعض وابستگان اور داعیان کے بیانات سے جو تاثر قائم ہوتا ہے اس سے دین کے دیگر پہلوؤں کی کم وقعتی کا احساس ہوتا ہے بسا اوقات تبلیغ کے اس مخصوص طریق کار کو حاصل دین قرار دینے کی سوچ بھی سامنے آتی ہے۔

بانی جماعت تبلیغ

لہذا ضروری ہے کہ اس تحریک کے بانی کے حالات و افکار میں جھانک کر دیکھا جائے کہ ان کے ہاں دین کا تصور کیا ہے اور ان کی زندگی کے ان پہلوؤں پر غور کیا جائے جن سے حضرت مولانا الیاس صاحب کی سوچ کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا کی فکر اپنے والدین اور گھریلو ماحول سے متاثر ہونے کے علاوہ اس کو اپنے اکابر اور اساتذہ سے بھی جلا ملی ہے اس لئے ان کی سوچ کے زوائیے اپنے اساتذہ اور مشائخ کی صحبت میں ہی درست ہوئے اور جو ان کے اکابرین کی فکر تھی وہی ان کی شعوری اساس تھی تاہم اس سے انکار نہیں کہ اس اساس

پر تعمیری منصوبہ بندی میں ان کی ذاتی کاوشوں کو عمل دخل حاصل ہے۔ جب حضرت مولانا کی زندگی کا اس حوالہ سے مطالعہ کیا جائے اور ان کو اپنے بیان کردہ خیالات کے آئینہ میں دیکھا جائے تو وہاں تعلق باللہ، عبادت، ذکر، علم کی اہمیت کے علاوہ جہاد و سیاست انسانی حقوق کی پاسداری وغیرہ یعنی دین کا مکمل تصور نظر آتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کی تحریک بجائے خود مستقل نہیں بلکہ ولی اللہی سلسلہ کے اہل حق کی جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔

خاندانی ماحول

حضرت مولانا نے ۱۳۰۳ھ میں جب آنکھ کھولی (۱)

تو اپنے گرد تعلق باللہ کے بنیادی امر کے علاوہ خدمت خلق کا ماحول دیکھا چنانچہ ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں۔

مولانا محمد الیاس کے والد مولانا محمد اسماعیل صاحب کے لئے ذکر و عبادات آئے گئے مسافروں کی خدمت اور قرآن مجید و دین کی تعلیم شب و روز کا مشغلہ تھا خدمت و تواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لادے ہوئے پیاسے ادھر آنکلتے ان کا بوجھ اتار کر رکھ دیتے اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر ان کو پانی پلاتے پھر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی اس خدمت کی توفیق دی میں اس قابل نہ تھا عام اجتماع و ہجوم کے زمانے میں پانی اور لوٹوں کا خاص اہتمام رکھتے اور رضائے الٰہی اور قربت خداوند کا ذریعہ سمجھ کر خلق خدا کی راحت رسانی اور خدمت میں مشغول رہتے۔ (۲)

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی وفات ۱۳۱۵ھ میں ہوئی (۳)

گویا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو اپنی عمر کے ابتدائی بارہ تیرہ برس اپنے والد کے معمولات زندگی دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ عمر کا وہ حصہ ہے جس میں جو چیز ذہن پر نقش ہوجائے اس کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں وہ اس عمر میں اپنے والد محترم کو ذکر عبادت اور دین کی تعلیم کے علاوہ انسانوں بالخصوص مسافروں اور

www.rahimia.org

مزدوروں کی خدمت میں مشغول دیکھتے رہے لامحالہ ان کے ذہن میں دین کی عمارت خدا پرستی اور انسان دوستی کی بنیادوں پر قائم ہوئی۔

گنگوہ آمد

بعد ازیں جب زندگی کے اس دور کا آغاز ہوا جس میں انسان کی سوچ کے خطوط متعین ہوتے ہیں تو آپ گنگوہ آگئے جہاں آپ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی صحبت میں دس سال رہنے کا موقع ملا حضرت گنگوہی کی اپنی زندگی جہاں ایک طرف عبادت و ریاضت اور عشق الٰہی سے عبارت تھی وہاں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جہد مسلسل کا دوسرا نام تھی چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے موقع پر جب علمائے حق نے شاملی کے میدان میں انگریز کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو حضرت گنگوہی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ) کی قیادت میں وزیر لام بندی کی حیثیت سے شریک تھے۔(۴)

اس کے علاوہ سیاست کے میدان میں حضرت گنگوہی کا نقطہ نظر بہت ترقی پسندانہ تھا ان کا فتویٰ تھا کہ دنیاوی معاملات میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو نقصان پہنچائے بغیر غیر مسلموں سے تعاون جائز ہے ۱۸۸۵ء میں جب انڈین نیشنل کانگریس وجود میں آئی تو آپ نے اس میں مسلمانوں کی شمولیت کی حمایت کی اور سر سید احمد خان کے اس فیصلہ پر تنقید کی جس میں انہوں نے عدم شمولیت کی بات کی تھی (۵)

اس امر کی بظاہر کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ حضرت گنگوہی کی صحبت میں شعور کی حالت میں دس سال رہنے والا فرد ان کے افکار سے متاثر نہ ہو جبکہ حضرت مولانا محمد الیاس کو حضرت گنگوہی سے گہرا لگاؤ بھی تھا چنانچہ ان کا قول ہے کہ ہم تو ساری عمر کا رونا اس روز رولئے تھے جس روز حضرت دنیا سے رخصت ہوئے (۶)

گنگوہ میں حضرت مولانا محمد الیاس کے قیام کے بارے میں مولانا ابوالحسن

www.rahimia.org

علی ندوی رقم طراز ہیں "مولانا حصول علم کے لئے والد صاحب کی اجازت سے اپنے منجھلے بھائی مولانا محمد یحیی صاحب کے ہمراہ ۱۳۱۴ھ یا ۱۳۱۵ھ میں گنگوہ آگئے اور بھائی صاحب سے پڑھنا شروع کردیا۔ گنگوہ اس وقت صلحاء فضلاء کا مرکز تھا ان کی اور خود حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی صحبت اور مجالس کی دولت مولانا محمد الیاس کو شب و روز حاصل تھی دینی جذبات کی پرورش نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں مولانا کی دینی اور روحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا انسان کی زندگی میں مقام و ماحول کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہوسکتا ہے مولانا محمد الیاس صاحب کا وہ زمانہ گنگوہ میں گذرا جب گنگوہ آئے تو دس گیارہ برس کے بچے تھے جب ۱۳۲۳ھ میں مولانا گنگوہی نے وفات پائی تو بیس سال کے جوان تھے گویا دس سال کا عرصہ مولانا کی صحبت میں گذرا

گنگوہ میں علماء کی آمد

مولانا محمد یحیی صاحب کامل استاد اور مربی تھے وہ اس بات کا خاص اہتمام رکھتے تھے کہ ہونہار بھائی ان صحبتوں اور مجلسوں کے فیوض سے پورے طور پر مستفید ہو مولانا محمد الیاس صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت گنگوہی کے خاص فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کردیتے اور کہتے اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرت کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو۔ (۷)

حضرت مولانا گنگوہی کے جو خصوصی تربیت یافتہ حضرات گنگوہ آتے تھے ان میں آپ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری (۱۳۳۷ھ) بھی شامل تھے جو بعد میں اس تحریک جہاد کے قائد بنے جس کا مقصد انگریز کو ہند بدر کرنا تھا۔ (۸)

شیخ الہند سے استفادہ

www.rahimia.org

حضرت گنگوہی کی رحلت کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن (۱۳۳۹ھ) کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ (۹)

جہاں آپ نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اپنے استاد کے سیاسی جذبات سے بھی گہرا تاثر قبول کیا یہی سبب ہے کہ حضرت مولانا شیخ الہند سے بیعت سلوک کے علاوہ بیعت جہاد کے بھی طالب ہوئے حضرت شیخ الہند نے بیعت سلوک کے لئے تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے رجوع کا مشورہ دیا۔ (۱۰)

لیکن بیعت جہاد کے لئے ان کی درخواست قبول کرلی۔ (۱۱)

حضرت شیخ الہند کا جہاد سامراج کے خلاف تھا اس وقت آزادی سے محبت اور انگریز سے نفرت کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مالٹا کی جیل سے رہائی کے بعد ترک موالات (یعنی انگریز کے سوشل بائیکاٹ) کا استفتاء آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اپنے تین شاگردوں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کو جمع کرکے فرمایا کہ یہ فتوی آپ لوگ لکھیں ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی موجودگی میں ہم کیا لکھیں گے فرمایا کہ مجھ میں انگریز سے نفرت کا جذبہ شدت لئے ہوئے ہے مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہ حدود کی رعایت ہوسکے گی اور حق تعالی نے فرمایا ہے کہ

ولا یجرمنکم شان قوم علی ان لا تعدلوا (سورہ مائدہ)

(کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل سے نہ ہٹایئے) اس لئے آپ ہی لوگ لکھیں۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے جہاں حضرت شیخ الہند کا انتہائی تقوی و تدین نمایاں ہے وہیں اس جذبے کا غلبہ بھی واضح ہے انگریزوں کو بھی حضرت شیخ الہند کے اس جذبہ نفرت کا احساس تھا چنانچہ مسٹر جیمس مسٹن جو اس زمانے میں یوپی کا گورنر تھا ایک موقعہ پر اس نے کہا تھا کہ اگر اس شخص (مولانا محمود حسن) کو جلا کر خاک بھی کردیا جائے تو وہ

www.rahimia.org

بھی اس کوچہ سے نہیں اڑے گی جس میں کوئی انگریز ہوگا نیز یہ بھی اس کا مقولہ ہے کہ اس شخص کی بوٹی بوٹی کردی جائے تو ہر بوٹی سے انگریزوں کی عداوت ٹپکے گی۔ (۱۲)

حضرت شیخ الہند کے ہاتھ پر بیعت جہاد کرنے سے حضرت مولانا محمد الیاس کی اس قلبی حالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس سے وہ اسوقت گذر رہے تھے ملک کی غلامی اور مسلمانوں کی بربادی نے انہیں انگریز کے خلاف اقدام کرنے پر جس طرح آمادہ کیا اس سے اس تاثر کی نفی ہوجاتی ہے کہ وہ محض چند دینی باتوں کے مبلغ تھے بلکہ اس بیعت سے ان کی زندگی کے حقیقی مشن کو متعین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے کہ ان کی سوچ کسی طرح اپنے اکابر سے مختلف نہیں تھی۔ (۱۳)

الگ بات ہے کہ اس کو عمل میں لانے کے لئے ان کا طریقہ کار اپنا تجویز کردہ تھا لیکن طریق کار کی تبدیلی سے مقاصد متاثر نہیں ہوا کرتے بلکہ ہر باشعور فرد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ موثر طریقہ دریافت کرے۔

اکابر سے تعلق

حضرت مولانا محمد الیاس کو اپنے اکابر سے جو قلبی تعلق تھا اس کی موجودگی میں ان کی تحریک کو مستقل تحریک خیال کرنا محض ایک خانہ ساز تصور ہے چنانچہ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہند) اور مولانا اشرف علی تھانوی میرے جسم و جان میں بسے ہوئے تھے اور اکابرین کو بھی مولانا کی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے خصوصی محبت اور لحاظ تھا ایک مرتبہ کاندھلہ میں شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا اشرف علی تھانوی موجود تھے نماز کا وقت آیا تو امامت کے لئے آپ کو بڑھایا اس پر خاندان کے ایک بزرگ مولوی بدر الحسن صاحب نے از راہ ظرافت کہا کہ اتنی بڑی بڑی گاڑیاں اور ایسا ہلکا پھلکا انجن جوڑ دیا ہے حضرات

www.rahimia.org

میں سے کسی نے کہا کہ یہ تو انجن کی طاقت پر ہے۔ (۱۴)

تبلیغی طریقہ کار کی حیثیت

الغرض حضرت مولانا محمد الیاس کی سوچ مکمل طور پر اپنے اکابر اساتذہ مشائخ سے ہم آہنگ تھی ان کی تحریک کا مطالعہ اسی پس منظر میں کیا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ خود اپنے اختیار کردہ تبلیغی طریقہ کار کو اساس و بنیاد کی بجائے تمہید کی حیثیت دیتے ہیں وہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"دین کے اداروں اور جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب (دینی امور) کے لئے تبلیغ (صحیح اصول کے ساتھ ملک ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا) بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات پرورش کرنے کے ہیں" (۱۵)

دین اور سیاست کا باہمی تعلق

اس مکتوب کی موجودگی میں بالخصوص تمہیدی امور کو اساسی مقام دے دینا درحقیقت بانی تحریک کی فکر سے انحراف ہے اور جو ایسا کر رہے ہیں ان کے اپنے مخصوص مقاصد تو ہوسکتے ہیں لیکن اس سے حضرت مولانا کو کوئی تعلق نہیں بنتا یہی وجہ ہے کہ آپ نے دین کی مکمل تعبیر کے لئے شریعت، طریقت اور سیاست کو بنیادی اجزاء قرار دیا ہے اور تبلیغی کام کے حصول کا ذریعہ (۱۶) عام طور پر دین کے دو اجزاء ہی بتائے جاتے ہیں یعنی شریعت و طریقت کہ ایک کا تعلق انسان کے ظاہری اعمال سے ہے اور دوسرے کا تعلق انسان کے باطنی افعال سے ہے لیکن حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے شریعت ہی کے ایک حصے سیاست کو علیحدہ ذکر کر کے اس کی بنیادی اہمیت کو اجاگر کیا ہے گویا ان کے ہاں سیاست کی اہمیت نہ صرف ہے بلکہ کافی زیادہ ہے ایسے میں ان کو غیر سیاسی بزرگ قرار دینا حقیقت کے برعکس ہوگا سیاسی عمل کی ضرورت ان کے اس قول سے بھی ظاہر ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی صاحب کی برکت سے انگریزوں کا مقابلہ کرنا

www.rahmia.org

ہے یہ کام بھی نہیں چھوڑنا ہے (۱۷)
بلکہ وہ اپنے تبلیغی کام کو سیاسی کام کرنے والوں کے لئے ستر اور آڑ قرار دیتے ہیں۔ (۱۸)

حضرت مولانا محمد الیاس کے ان خیالات سے ان کی فکری پس منظر کو صحیح طور پر سمجھنے میں مزید مدد ملتی ہے ایسے میں ان کے کام کو سیاست سے متضاد سمت رکھنے والا کام قرار دینا کسی طرح قرین انصاف نہیں بلکہ ایک حوالہ سے ان پر اتہام ہے تاہم اس سے انکار نہیں کہ ان کے ہاں ایک فطری ترتیب ضرور پائی جاتی ہے اور اس ترتیب کے لحاظ رکھے بغیر سیاسی عمل کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ کسی بھی اقدام کے لئے تیاری کا ہونا ازحد ضروری ہے۔

کام میں ترتیب کی ضرورت

اس لئے حضرت مولانا کا یہ نظریہ تھا کہ ایک عرصہ تک صبر و ضبط کے ساتھ دعوت کے اصول پر کام کرنے کی ضرورت ہے جس سے مسلمانوں میں نظم و ضبط کی قابلیت اطاعت ڈسپلن کا مزاج، خواہشات نفس اور ذاتی اغراض و مفادات کے برعکس کسی اصولی موقف پر استقامت کی قوت پیدا ہوگی اس کے بعد ہی عملی سیاست صحیح بنیادوں پر استوار ہوسکے گی اگر دعوت (افرادسازی و قیام تنظیم) کے مرحلہ میں غیر مناسب عجلت یا تیز رفتاری سے کام لیا گیا تو سیاست اسی قدر ناپائیدار ہوگی چنانچہ موجودہ اختلافات انتشار اور خرابیوں کا سبب یہی ہے کہ دعوت سے پہلے عملی سیاست شروع کردی گئی ہے۔ (۱۹)

یہی بات تھوڑے سے مختلف انداز میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ انقلاب کے لئے ہمیشہ ایک جماعت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ جماعت اس وقت تک نہیں بن سکتی جب تک کے انقلاب کے پیغام کو ان تک نہ پہنچایا جائے صرف پہنچایا ہی نہ جائے بلکہ وہ اس پیغام کو سمجھیں اور ان کے دلوں میں پیغام رچ بھی جائے وہ اس پر ایک عرصہ تک عمل بھی کریں اس

www.rahimia.org

راہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو برداشت کرنا بھی سیکھیں اور ان امتحانوں میں پڑ کر جب وہ نکلیں تو اس قابل ہوں کہ انقلاب کے لئے اپنی جانیں دے سکیں انقلاب کی تیاری کرنے کے زمانے میں عدم تشدد پر عمل کرنا مفید رہتا ہے چنانچہ تاریخ میں اکثر مقدس ہستیوں نے عدم تشدد کی پالیسی پر ایک خاص مدت کے لئے عمل کیا ہے۔ (۲۰)

اگر تیاری سے قبل اقدام کردیا جائے تو انقلاب ناکام رہتا ہے چنانچہ ابتداء نبوت سے تین سال تک تو حضرت نبی اکرم ﷺ اس طرح رہے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی جس کو اپنے مطلب کا دیکھتے اس سے بات چیت کرلیتے اور جو چند لوگ ہم فکر ہوتے وہ رات کسی جگہ جمع ہوجاتے اس طرح دعوت اور تیاری جاری رہی اب بھی جس مکتب [illegible] تعلیم کے اصولوں پر انقلاب پیدا کیا جائے گا اس سے پہلے اسی منزل میں سے گذرنا پڑے گا یعنی ذہنی تیاری کی منزل ہے جس میں لڑائی کی گنجائش نہیں ہے۔ (۲۱)

محتاط انداز گفتگو

گویا حضرت مولانا محمد الیاس کے ذہن میں دعوت و سیاست کی جو ترتیب تھی وہ اس سے قطعی مختلف نہیں جو حضرت مولانا سندھی نے بیان کی ہے اس میں شک نہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس کے الفاظ میں احتیاط کا پہلو غالب تھا چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ بندہ ناچیز کے دماغ میں کچھ ایسے ایسے خیالات ہیں کہ قبل از وقت ہونے کی بناء پر زبان سے نکالنے کو جی نہیں چاہتا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ انہوں نے جس کام کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا اور جس کی دعوت دی تھی وہ ان کے ماحول سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا تھا وہ اس زمانہ اور گرد و پیش کی سطح سے بہت بلند تھا اس لئے بلند عزائم اور اپنے حوصلوں کا اظہار بہت کم کرتے تھے پھر بھی کبھی کبھی ترشح ہوجاتا۔ (۲۲)

چنانچہ ایک مرتبہ مولانا ظہیر الحسن ایم اے (علیگ) سے فرمایا ظہیر الحسن

www.rahimia.org

میرا مدعا کوئی نہیں پاتا لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوۃ ہے میں قسم سے کہتا ہوں کہ یہ تحریک صلوۃ نہیں۔ (۲۳) گویا یہ دعوتی طریقہ کار دین کے انقلابی مشن اور عمل جہاد کے فروغ کیلئے اختیار کیا گیا ہے۔ غرضیکہ حضرت مولانا محمد الیاس کی سوچ چند عبادات کی تلقین و تبلیغ تک محدود نہیں تھی بلکہ آپ مکمل دین کا احیاء چاہتے تھے اور اسی مشن کے لئے آپ عوام میں ایک جماعت تیار کرنے کے لئے سرگرم عمل رہے تاکہ ولی اللہی جماعت کی دست و بازو بن سکے اس سلسلے میں آپ کے سامنے ابتداء ہی سے صحابہ کرام کا اسوہ اور ان کی جدوجہد رہی۔

اسوہ صحابہ

حضرت مولانا کی نانی اماں بی امتہ الرحمان (۲۴) فرمایا کرتی تھی اختر (۲۵) مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے کبھی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر فرماتیں کہ کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہ کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب میں مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ یاد آجاتے ہیں۔ (۲۶)

صحابہ کرام کی زندگی کیا تھی اس پر تاریخ کی کتابیں شاید ہیں کہ ایک طرف عبادت الہی اور خدا پرستی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا تو دوسری جانب انسانیت دوستی۔ نیز ظلم و باطل کے نظاموں کی بیخ کنی کر کے نظام خلافت قائم کرنا ان کی زندگی کا مشن تھا۔ حضرت مولانا اسی جامع زندگی کا احیاء چاہتے تھے جس میں عبادت خداوندی کے ساتھ خدمت خلق کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہو چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

انسانیت دوستی

"بیوی بچوں کے حقوق، والدین کے حقوق، پڑوسی کے حقوق، تمام مسلمانوں کے حقوق، انسانوں کے حقوق، پرندے، درندے اور اللہ کی ساری مخلوق کے حقوق جمادات و نباتات کے حقوق ہیں ان سب کی ادائیگی ترتیب وار

www.rahimia.org

ضروری ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں اللہ کے حکم ہیں اللہ اپنے حقوق کی کمی کو تو معاف فرما دیں گے لیکن حقوق العباد کو معاف نہیں کریں گے اس لئے حقوق العباد کی ادائیگی میں نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے کام لینا چاہیئے۔ (۲۷)

مزید فرماتے ہیں کہ خدمت خلق کے ذریعہ خدا کا راستہ ملتا ہے اس نے اپنا راستہ اپنی مخلوق کی خدمت کے ذریعہ ہی رکھا ہے۔ (۲۸)

یہ اللہ کا تحفہ ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جب کہ عبادات تو صرف اپنے نفس کے فائدے کے لئے ہیں۔ (۲۹)

کس قدر واضح اور غیر مبہم انداز میں حضرت مولانا نے انسانیت دوستی کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ رویہ کسی طرح بھی معاشرتی ذمہ داریوں سے گریز اور فرار کی اہمیت رکھنے والوں سے مطابقت نہیں رکھتا جن کے ہاں انسان اور انسانی حقوق چنداں اہمیت نہیں رکھتے اور جن کی تمام تر دینداری چند رسوم کی ادائیگی اور بے روح عبادات کے ارد گرد گھومتی ہے اور اسی معیار پر وہ دیگر انسانوں کو پرکھتے ہیں جب کہ حضرت مولانا محمد الیاس کے ہاں تو تصوف و سلوک کی اہم ترین بنیاد بھی خدمت خلق ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ دل آئینہ ہے اس میں خدا نظر آتا ہے لیکن اس آئینہ کو صاف کرتا رہے یعنی صفات رذیلہ سے پاک کرنا چاہیئے صفات محمودہ اپنی عادت بنانی چاہیئے اور صفات رذیلہ دور کرنے کیلئے خدمت خلق ہے۔ (۳۰)

اسی نوعیت کا ان کا ایک اور مقولہ زریں ہے "اللہ کی رحمت آتی ہے عبد بننے میں، عبد بننا آتا ہے خدمت خلق کرنے سے" (۳۱)

اسی بات کو حضرت مولانا عبید اللہ سندھی یوں بیان کرتے ہیں۔

ایمان باللہ یا خدا پرستی کی ایک منزل انسانیت دوستی کی ہے اگر آدمی یہ مانتا ہے کہ سارے انسان اسی (اللہ) کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اس کو ان انسانوں کے خالق سے حقیقی محبت ہے تو لازمی ہے کہ اسے اس کی مخلوق سے بھی محبت ہو اور اگر اسے اس کی مخلوق سے محبت نہیں تو یہ سمجھ لو کہ وہ خدا کی محبت کے دعوی

www.rahmia.org

میں سچا نہیں خدا پرستی کی پہچان اس دنیا میں تو یہی ہے کہ خدا پرست انسان کو خدا کے سارے بندوں سے محبت ہو اور وہ خدا کی خوشنودی اس کی مخلوقات کی خدمت اور اس کی بہبودی میں ڈھونڈے ہمارے صوفیاء کرام نے تو خدا پرستی کی اس عملی شکل یعنی انسانیت دوستی کو اصل دین قرار دیا تھا (۳۲)

اخلاق و ارکان

اسی حوالہ سے حضرت مولانا محمد الیاس فرماتے ہیں

شبہ یہ ہے کہ اخلاق (انسانیت دوستی) بڑا ہے یا ارکان (نماز روزہ وغیرہ) جڑ کے اعتبار سے ارکان بڑے ہیں اور نتیجہ کے اعتبار سے اخلاق بڑا ہے حقوق اللہ معاف ہوجائیں گے مگر حقوق العباد کو اللہ معاف نہیں کرے گا اس معنی میں اخلاق بڑی چیز ہے۔ (۳۳)

ایک اور موقع پر فرمایا اخلاق دین کی جڑ ہے حتی کہ نماز وہ بھی اخلاق کی درستی کے لئے ہے۔ (۳۴)

حضرت مولانا محمد الیاس کے ہاں اخلاق کی درستی کے لئے خدمت خلق کے ساتھ ساتھ مسلمانوں سے دلی تعلق اور محبت بھی ضروری ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ یہ سب عمل یعنی نماز روزہ وغیرہ درست نہیں کرسکتے جب تک کہ اللہ تعالی کی محبت و عظمت نہ ہوجاوے اور اللہ تعالی کی عظمت و محبت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ ذکر و شغل نہ کیا جائے اور ذکر و شغل درست نہیں جب تک کہ وہ وساوس کو دفع نہ کیا جائے اور وساوس کیا ہیں صفات رذیلہ کا پھل ہیں اور یہ دفع نہیں ہوسکتے جب تک کہ قرآن اور اللہ کی عظمت نہ پیدا کی جائے اور یہ پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ مسلمانوں سے محبت و الفت نہ پیدا کی جائے۔ (۳۵)

مسلمانوں سے محبت و الفت درحقیقت انسانیت دوستی کا ہی ایک مظہر ہے جس سے انسان کے اندر وہ بنیادی صفت پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ ادائیگی حق کا فریضہ انجام دیتا ہے جو اس کے منصب اخلاق کا ناگزیر تقاضہ ہے اسی

www.rahmia.org

منصب خلافت کی وجہ سے اس کی قیمت ہے باقی اس کے اعتبارات ضمنی اور ثانوی نوعیت کے ہیں۔ (۳۶)

دین و دنیا

انسان کو خلیفتہ اللہ ہونے کی بنا پر اس دنیا میں اپنا کردار لازماً ادا کرنا ہے جب کہ اس کے برعکس بعض حلقوں میں دینداری کا تصور یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دنیوی مشاغل سے الگ تھلگ کر لے اور ایک نوع کی راہبانہ زندگی اختیار کر لے ایسے لوگ ان احادیث کو پیش کرتے ہیں جن میں دنیا و مافیہا کو قابل لعنت قرار دیا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں متوازن سوچ یہ ہے کہ دنیا کو رضائے الٰہی اور قربت خداوندی کے حصول کا ذریعہ تو مانا جائے، مقصد حیات قرار نہ دیا جائے گویا جس طرح دینا کو ہی اپنی زندگی کا ہدف اساسی قرار دے لینا غلط ہے اسی طرح یہ سوچ بھی خام ہے کہ دنیا کو بالکل ناقابل التفات گردانا جائے اس سلسلے میں حضرت مولنا محمد الیاس نے اپنے مکتوب (۳۷) میں راہ اعتدال کی وضاحت کی ہے کہ ایک جانب تو احادیث میں دنیا کو قابل لعنت قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ دوسری طرف تلاش رزق کا حکم دیا گیا ہے تو ایسے میں معیشت دنیا کے اسباب میں مشغولیت کو دنیا قرار دے کر اسے لائق نفرت ٹھہرانا درست نہیں کیونکہ لعنت کی چیز کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں ہوسکتا گویا دنیا کا مفہوم عام نگاہوں میں غلط ہے۔

لہذا جس چیز کا حکم ہے اس میں حکم کی وجہ سے مشغولیت اور اس میں حلال و حرام کا دھیان تو دین ہے دنیا نہیں تاہم حکم سے قطع نظر از خود اپنی ضرورت کا احساس کرنا اور اسے اپنے تئیں ضروری قرار دینا کہلائے گا۔ گویا حضرت مولنا کے نزدیک اسی دنیاوی مصروفیت کے اندر ہی سچے احساسات اور درست عمل سے دین کو حاصل کیا جاسکتا ہے اس کے لئے ترک دنیا نہ ضروری ہے اور نہ پسندیدہ چنانچہ مولانا دین کی مثال اس لعاب دہن سے دیا کرتے تھے جس کی تھوڑی سی مقدار کی شمولیت کے بغیر نہ کسی چیز میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ چیزیں ہضم ہوتی ہیں۔ (۳۸)

www.rahima.org

گویا دین کو اگر دنیاوی مشاغل تعلقات میں پیش نظر رکھ لیا جائے تو یہی دینا دین بن جاتی ہے لہذا ترک اسباب یا ان کی کلیتہ نفی کا نظریہ درست نہیں بلکہ اسباب تو اللہ کی نعمت ہیں ان کا استعمال میں آنا ضروری ہے لیکن یہ خیال رہے کہ ان پر اس طرح نظر نہ جم جائے کہ خالق اسباب کی جگہ اسباب لے لیں چنانچہ حضرت مولانا راہ اعتدال کی وضاحت دونوں پر یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ اسباب اختیار نہ کرنے والا زندیق جب کہ اسباب پر نظر رکھنے والا مشرک ہے۔ (۳۹)

الغرض حضرت مولانا محمد الیاس کا تصور دین جامع اور متوازن ہے اس کو روبہ عمل لانے کے لئے ہر مسلمان سرمایہ پرستانہ اور پر تعیش زندگی (۴۰) جو اسلام کے راہ راست سے ہٹی ہوئی اور بگڑی ہوئی زندگی ہے کو ترک کرکے اسلام کی نصرت و خدمت اور اس کے عملی کاموں میں شخصاً شریک ہو یا جو لوگ ان کاموں میں مشغول ہیں ان کے لئے پشت پناہ بنے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کاموں میں خود عملاً شریک ہونے کا عزم اور جذبہ رکھتا ہو اور صرف کسی معذوری یا دینی مصلحت کی وجہ سے ہی وقتی طور پر اس سے علیحدہ ہو۔ (۴۱)

www.rahimia.org

حوالہ جات

(۱) آپ کا تاریخی نام اختر الیاس رکھا گیا آپ تینوں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے سید ابوالحسن علی ندوی حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت (کراچی مجلس نشریات اسلام ۱۹۸۵ء) ص ۴۶

(۲) ایضاً ص ۴۶

(۳) ایضاً ص ۴۶

(۴) سید مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی (دیوبند دار العلوم ۱۳۷۳ھ ج ۲ ص ۱۲۷

(۵) عبد القادر حان مطالعہ پاکستان (لاہور پنجاب پبلشنگ کارپوریشن) چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۴ء ص ۵۸

(۶) سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۵۶

(۷) ایضاً ص ۵۸

(۸) موسیٰ جار اللہ، الہام الرحمن فی تفسیر القرآن حیدر آباد نفیس پرنٹنگ پریس ج ا ص ۱۳۶

(۹) سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۵۶

(۱۰) ایضاً ص ۵۷

(۱۱) ایضاً ص ۵۸

(۱۲) سید مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی ج ۲ ص ۸۴

(۱۳) ایک مرتبہ لال قلعہ دہلی کے پاس گزرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے دریافت کیا کہ کبھی جناب نے لال قلعہ دیکھا ہے؟

فرمایا میں لال قلعہ کی سیر کو بے حمیتی سمجھتا ہوں میں نے بچپن میں اس وقت دیکھا ہے جب دکھانے والے رو رو کر دکھایا کرتے تھے (سید ابوالحسن علی ندوی حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۲۰۳) گویا حضرت مولانا محمد الیاس بھی حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی طرح دہلی کے لال قلعہ کو قومی حمیت کی علامت سمجھتے تھے مولانا سندھی کا واقعہ ہے کہ وہ ہندوستان میں آنے کے بعد برہنہ سر رہتے تھے یہاں تک کہ نماز بھی بسا اوقات اسی طرح پڑھتے تھے ایک مرتبہ دہلی میں جامع مسجد کے قریب ایک صاحب نے مولانا سے اس کے متعلق استفسار کیا تو کچھ حسرت اور کچھ غصے کے لہجہ میں فرمایا "میری ٹوپی تو اسی دن اتر گئی جس دن دہلی کا لال قلعہ مجھ سے چھین لیا گیا اب یہ بے غیرتی کی بات ہے کہ میں اپنا قلعہ واپس لئے بغیر سر پر ٹوپی رکھوں (مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ناقد (لاہور: المحمود اکیڈمی جولائی ۱۹۸۹ء ص ۳۵)

(۱۴) ایضاً ص ۵۸-۵۹

(۱۵) ایضاً ص ۲۴۲

(۱۶) افتخار فریدی! ارشادات و مکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاس (رائیونڈ مکتبہ دینیات بار اول ۱۹۸۱ء) ص ۱۲، ۲۲

(۱۷) ایضاً ص ۳۸

(۱۸) ایضاً ص ۲۱

(۱۹) سید ابوالحسن علی ندوی حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دعوت ص ۲۵۰

www.rahimia.org

(۲۰) پروفیسر محمد سرور مولانا عبید اللہ سندھی حالات زندگی تعلیمات اور سیاسی افکار۔
(لاہور سندھ ساگر اکادمی اشاعت ششم ۱۹۸۲ء) ص ۶
(۲۱) مولانا عبید اللہ سندھی قرآنی دستور انقلاب (لاہور ادارہ نشریات اسلام) ص ۴۳
(۲۲) سید ابو الحسن علی ندوی حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۲۰۱
(۲۳) ایضاً ص ۱۹۹
(۲۴) آپ مولانا مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی تھیں ان کی نماز کا یہ حال تھا کہ
حضرت مولانا محمد الیاس نے ایک مرتبہ فرمایا کہ امی بی کی نماز کا نمونہ میں نے مولانا گنگوھی کی
نماز میں دیکھا اور مولانا گنگوہی کی نماز ایک اپنے طبقہ میں ممتاز تھی (ایضاً ص ۵۰)
(۲۵) حضرت مولانا محمد الیاس کا تاریخی نام اختر الیاس تھا (ایضاً ص ۴۹)
(۲۶) ایضاً ص ۵۲
(۲۷) افتخار فریدی ارشادات و مکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب ص ۶۷
(۲۸) ایضاً ص ۷۷
(۲۹) ایضاً ص ۹۷
(۳۰) ایضاً ص ۱۰۰
(۳۱) ایضاً ص ۸۰
(۳۲) پروفیسر محمد سرور مولانا عبید اللہ سندھی، حالات زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار
ص ۵۸
(۳۳) افتخار فریدی ارشادات و مکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاس ص ۸۴
(۳۴) ایضاً ص ۴۸
(۳۵) ایضاً ص ۱۰۳
(۳۶) ایضاً ص ۳۰
(۳۷) سید ابو الحسن علی ندوی حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۰۵
(۳۸) ایضاً ص ۱۰۵
(۳۹) افتخار فریدی ارشادات و مکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاس ص ۱۰۶
(۴۰) حضرت مولانا محمد الیاس اس کو سکونی زندگی کا نام دیتے ہیں۔ (سید ابو الحسن علی
ندوی حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۰۷
(۴۱) ایضاً ص ۱۰۷

www.rahimia.org